باب 9

اُردو کے رومانی نثر نگار

سر سیّد اور حالؔی کی اصلاحی تحریک کے بعد اردو ادب میں ایک نئے رجحان کو مقبولیت حاصل ہوئی جسے 'ادبِ لطیف' کہا جاتا ہے۔ اس کے تحت ایسے شگفتہ اسلوبِ نثر کو رواج دینے کی کوشش کی گئی جس میں رومانی احساس اور جذباتی انداز نمایاں ہو۔ یہ کسی تحریک یا منظّم کوشش کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ایک کو دیکھ کر دوسرے نے اس رجحان کا اثر قبول کیا۔ ادبِ لطیف سے وابستہ قلم کار جمالیاتی قدروں کے پاسدار اور حسن کے پرستار تھے۔ ان کی تحریروں میں نزاکتِ خیال، شعریت اور رومانیت کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں فکری وسعت بھی ملتی ہے۔ ادبِ لطیف کے لکھنے والوں نے عام طور پر حسنِ فطرت اور حسن و عشق کے معاملات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ یہ ادیب رابندر ناتھ ٹیگور کی تحریروں سے بھی متاثر ہوئے ہیں۔

میر ناصر علی (1847-1933) : میر ناصر علی دہلی میں پیدا ہوئے۔ قدیم دلّی کالج سے 1867 میں انھوں نے انٹرنس کا امتحان دیا۔ انگریزی دورِ حکومت میں سرکاری ملازمت اختیار کی اور مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ میر ناصر کی ادبی زندگی کا آغاز رسالہ 'تیرھویں صدی' سے ہوا جو انھوں نے آگرہ سے جاری کیا۔ بعد میں یہ رسالہ 'زمانہ' کے نام سے شائع ہونے لگا۔ اس کے بعد انھوں نے دہلی سے رسالہ 'افسانۂ ایّام' اور پھر 'رسالۂ ناصری' جاری کیا۔

1908 میں میر ناصر علی نے دہلی میں اپنا ذاتی پریس 'مطبعِ ناصری' قائم کیا اور یہیں سے رسالہ 'صلاے عام' شائع کرنے لگے۔ ان کے پوتے سید انصار علی ناصری نے ان کے مضامین کا ایک انتخاب 'مقاماتِ ناصری' کے نام سے 1969 میں انجمن ترقی اردو، کراچی سے شائع کیا ہے۔ اس انتخاب میں مضامین بھی ہیں اور انشائیے بھی۔ یہ تمام تحریریں میر ناصر علی کے شگفتہ اسلوب اور لطیف رومانی نثر کا نمونہ ہیں۔

مہدی افادی (1868/70-1921) : ان کا نام مہدی حسن تھا مگر وہ اپنے نام کے ساتھ افادی الاقتصادی لکھتے تھے۔ وہ گورکھپور کے ایک تعلیم یافتہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ علی گڑھ گئے اور 1909 میں تحصیل دار کے عہدے پر فائز ہوئے۔

مہدی افادی کے مضامین کا مجموعہ 'افاداتِ مہدی' اور خطوط کا مجموعہ 'صحیفۂ محبت' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اُن کی نثر شگفتہ، رواں اور دل کش ہے۔ ان کا ایک مضمون 'اردو لٹریچر کے عناصرِ خمسہ' بہت مقبول ہوا۔ اس میں مہدی افادی

© NCERT not to be republished

نے سرسیّد، نذیر احمد، حالیؔ، محمد حسین آزادؔ اور شبلیؔ کو اردو ادب کے عناصرِ خمسہ قرار دیا ہے۔ ان کے شگفتہ اسلوب کی شبلیؔ نے بھی تعریف کی ہے۔

مہدی افادی نے حسن و عشق کے موضوع پر عمدہ انشائیے لکھے ہیں۔ انھوں نے دوسرے نثر نگاروں کے مقابلے میں کم لکھا ہے لیکن ان کے مضامین سے ان کی جدّت پسند طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں میں نئی تشبیہات، استعارات اور تراکیب نمایاں ہیں۔ مہدی افادی نے دوسری زبانوں کی اصطلاحات کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ اُن کا شمار رومانی نثر کے معماروں میں ہوتا ہے۔

یلدرمؔ (1880/82-1943) : ان کا نام سیّد علی سجاد حیدر تھا۔ وہ نہٹور، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی۔ اے کرنے کے بعد بہ حیثیت ڈپٹی کلکٹر سرکاری ملازمت میں داخل ہوگئے۔ دورانِ تعلیم ہی انھیں تُرکی زبان وادب سے دل چسپی پیدا ہوگئی تھی۔ ترکی افسانوں نے انھیں بے حد متاثر کیا۔ 1920 میں وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار مقرر ہوئے۔ 1930 میں انھوں نے جزائر انڈمان کے ریونیو کمشنر کا عہدہ سنبھالا۔ 1935 میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور لکھنؤ میں رہنے لگے۔ یہیں اُن کا انتقال ہوا۔

یلدرم کے مضامین اور افسانوی مجموعے 'خیالستان' اور 'حکایات واحساسات' کے عنوان سے شائع ہوئے۔ ان کے علاوہ یلدرم نے ترکی ناولوں اور ڈراموں کے ترجمے بھی کیے۔ 'پرانا خواب' اور 'مرزا' ان کے طبع زاد ڈرامے ہیں۔ سجاد حیدر یلدرم کی نثر کا اسلوب رومانی ہے۔ ان کے تراجم ہوں یا طبع زاد افسانے، ڈرامے ہوں یا مضامین، سبھی میں انھوں نے اپنے احساسات کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ ہر شے میں حسن تلاش کرتے ہیں۔ یلدرم نے اردو نثر میں ادبِ لطیف کی روایت کو مستحکم کیا۔

نیازؔ فتح پوری (1884-1966) : ان کا نام نیاز محمد خاں تھا۔ وہ اتر پردیش کے شہر فتح پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، بعد میں انگریزی پڑھی۔ شعر وادب کا شوق بچپن سے تھا۔ ان کی نوجوانی کا زمانہ ریاست بھوپال میں بسر ہوا۔ وہیں سے انھوں نے 1922 میں رسالہ 'نگار' جاری کیا۔ اس رسالے نے اپنے معیار، مباحث اور خصوصی شماروں کے سبب بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔ نیاز فتح پوری شاعر، نثر نگار اور مترجم بھی تھے۔ انھوں نے افسانے اور انشائیے بھی لکھے اور علمی، ادبی اور تنقیدی مضامین بھی۔ آخری عمر میں نیازؔ پاکستان چلے گئے اور رسالہ 'نگار' کراچی سے شائع کرنے لگے۔ کراچی ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

نیاز فتح پوری ادب کو سماجی اصلاح سے زیادہ جمالیاتی ذوق کی تسکین کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے رومانی نثر لکھی اور ادبِ لطیف کے ایک معمار کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ 1913 میں ان کا طویل افسانہ 'ایک شاعر کا انجام' شائع ہوا۔ اس میں نیازؔ کی جذبات نگاری اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ 'شہاب کی سرگذشت' نیازؔ کا مشہور ناولٹ ہے۔ 'نگارستان'، 'جمالستان' اور 'نقاب اُٹھ جانے کے بعد' نیاز کے افسانوں اور انشائیوں کے مجموعے ہیں۔

نیازؔ، ٹیگور کے اسلوب سے بہت متاثر تھے۔ ان کی معروف کتاب 'عرضِ نغمہ' ٹیگور کی 'گیتا نجلی' کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد اردو کے کئی ادیبوں نے ٹیگور کے اسلوب کا اثر قبول کیا۔ ان کے خطوط کی نثر بھی رومانی ہے۔

سجاد انصاری (پ۔ 1884): سجاد انصاری گدیا ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ کالج سے بی۔ اے۔ اور ایل۔ ایل۔ بی۔ کیا۔ انھیں شعر و ادب کا ذوق تھا۔ شاعری کے ساتھ وہ نثری مضامین بھی لکھتے تھے۔ وہ کم عمری میں وفات پانے کے سبب اپنی کوئی باقاعدہ کتاب تصنیف نہ کر سکے۔ ان کے مضامینِ نظم و نثر کا ایک مجموعہ 'محشرِ خیال' ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ اس میں چند مضامین اور ادب پارے، ایک نامکمل ڈراما اور کچھ نظمیں شامل ہیں۔ انھیں ادبِ لطیف کا فلسفی کہا جاتا ہے۔

سجاد انصاری اپنی فکر کے ساتھ ساتھ اسلوب نگارش کی بنا پر بھی مقبول ہوئے۔ ان کے مضامین کے موضوعات رنگین اور دلچسپ ہیں۔ ان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی بات بغیر کسی مصلحت و مروت کے بے باکی سے کہہ جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شاعری سے وعظ و نصیحت کا کام نہیں لینا چاہیے۔ رومانی نثر یا ادبِ لطیف کے لکھنے والے تشبیہات و استعارات اور خوب صورت الفاظ پر خاص توجہ دیتے تھے لیکن سجاد انصاری کے یہاں فلسفیانہ استدلال پر بھی زور ہے۔

ل۔ احمد اکبر آبادی (1885-1980): رومانی نثر نگاروں میں ایک نمایاں نام لطیف الدین احمد کا ہے۔ وہ ل۔ احمد کے قلمی نام سے لکھتے تھے۔ وہ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ فارسی عربی کی تعلیم انھوں نے مدارس میں حاصل کی۔ 1907 سے سیاست میں قدم رکھا اور جلیان والا باغ کے سانحے (1919) کے بعد کانگریس میں شامل ہو گئے۔ 1952 میں سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

ل۔ احمد اکبر آبادی نے ادبی موضوعات کے علاوہ سیاسی موضوعات پر بھی لکھا۔ اردو ادب میں وہ ایک رومانی افسانہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی افسانوں پر ٹیگور کے گہرے اثرات ہیں۔ انھیں سر ٹامس مور

کی کتاب کے ترجمے 'لالہ رخ' سے شہرت حاصل ہوئی۔ ان کی تصنیفات میں سے چند کے نام یہ ہیں، 'انشائے لطیف'، 'نغمات'، 'گیت اور گیان'، 'ادبی تاثرات'، 'نقدِ ادب'، 'محبت کا افسانہ' اور 'مجنوں کے ارمان'۔

سلطان حیدر جوشؔ (1886-1953) : سلطان حیدر جوشؔ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن دہلی میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم دہلی میں اور اعلیٰ تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی۔ ملازمت میں وہ ڈپٹی کلکٹری کے عہدے تک پہنچے۔ سبک دوشی کے بعد علی گڑھ میں مقیم رہے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

سلطان حیدر جوش نے اپنے افسانوں میں انگریزی کی اندھی تقلید پر جا بجا طنز کیا ہے۔ ان کا شمار رومانی نثر کے معماروں میں کیا جاتا ہے۔ 'افسانۂ جوش' اور 'فکرِ جوش' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔

عبدالغفّار قاضی (1889/90-1956): قاضی عبدالغفار مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد 1908 میں اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ عملی زندگی کا آغاز انھوں نے ایک صحافی کے طور پر کیا۔ دہلی میں مولانا محمد علی جوہر کے اخبار 'ہمدرد' میں کام کیا۔ اس کے بعد کلکتہ گئے اور وہاں سے روزنامہ 'جمہور' شائع کیا۔ حیدرآباد جاکر 'پیام' اخبار جاری کیا۔ علی گڑھ میں انجمن ترقی اردو ہند کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ وہیں اُن کا انتقال ہوا۔

قاضی عبدالغفار بنیادی طور پر صحافی تھے لیکن ان کی ادبی خدمات بھی قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے ناول، افسانے، ڈرامے، سفرنامے کے علاوہ سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں اور ترجمے بھی کیے ہیں۔ 'لیلیٰ کے خطوط' اور 'مجنوں کی ڈائری' سے انھیں بہت شہرت ملی۔ ان کی نثر میں رومانیت اور شعریت کا رنگ نمایاں ہے۔

مجنوںؔ گورکھپوری (1904-1988): ان کا نام احمد صدیق تھا۔ ضلع بستی کے ایک گاؤں پلڈہ میں پیدا ہوئے۔ اردو اور انگریزی میں ایم۔اے۔ کی سند حاصل کی۔ بہت دنوں تک گورکھپور کے سینٹ اینڈریوز کالج میں انگریزی اور اردو کے استاد کی خدمات انجام دیں۔ پھر علی گڑھ کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہوگئے۔ 1968 میں کراچی چلے گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔

مجنوںؔ کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری اور افسانہ نگاری سے ہوا۔ انھوں نے رومانی افسانہ نگار اور تنقید نگار کے طور پر شہرت حاصل کی۔ مجنوںؔ کے پہلے طویل افسانے کا نام 'زیدی کا حشر' ہے۔ 'صید زبوں'، 'خواب وخیال'، 'مجنوں کے افسانے'، 'سوگوارِ شباب'، 'سمن پوش'، 'نقشِ ناہید' ان کی مشہور کتابیں ہیں جو رومانی نثر کی نمائندگی کرتی ہیں۔ مجنوں کی نثر سادہ اور سلیس ہونے کے ساتھ شعریت سے بھرپور ہے۔ ان کی تصنیف 'پردیسی کے خطوط' کو

© NCERT not to be republished

ادبِ لطیف کی روایت میں نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ 'شوپنہار' اور 'جمالیات' کا شمار بھی ان کی خاص کتابوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بعض عمدہ ترجمے بھی کیے ہیں۔

دیگر نثر نگار

اس عہد میں عالمانہ افکار کے مدلّل اظہار کے لیے مختلف اسالیب پر توجہ کی گئی۔ مختلف موضوعات و مسائل پر اپنے خیالات کو ربط و تسلسل کے ساتھ عالمانہ زبان میں بیان کرنے والے ادیبوں میں مولانا ابوالکلام آزاد پیش پیش ہیں۔ ادب، مذہب اور سیاست کے موضوع پر مولانا آزاد کی تحریریں اردو ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ خطابت و صحافت میں ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔ ان کے مضامین اور اداریے قارئین کے دلوں میں ہلچل پیدا کر دیتے تھے۔ اس عہد میں سنجیدہ موضوعات و مسائل پر ادبی نوعیت کی تحریریں پیش کرنے والے دیگر حضرات میں عبدالماجد دریابادی، سیّد عابد حسین اور خواجہ غلام السیدین کے نام خاص ہیں۔ ان کے بعد آنے والے مصنفین میں شان الحق حقّی بھی اسی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

وحید الدین سلیم (1869-1928) : وحید الدین سلیم ماہرِ لسانیات، صحافی، مترجم، مصنف اور شاعر تھے۔ اُنھوں نے پہلے مفتوںؔ اور پھر سلیمؔ تخلص اختیار کیا۔ پانی پت میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ 1882 میں مڈل اسکول کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد لاہور کے اورینٹل کالج میں تعلیم جاری رکھی۔

حالیؔ نے 1894 میں انھیں علی گڑھ بلوایا اور سرسیّد سے متعارف کرایا۔ 1907 میں انھیں 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' کی ادارت کی ذمے داری سونپی گئی۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران وحید الدین سلیم نے 'انجمنِ مترجمین' قائم کی جس کا مقصد انگریزی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنا تھا۔ جب حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ قائم کی گئی تو نصابی کتابوں کے اردو میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ راس مسعود اور بعض دوسرے حضرات نے وحید الدین سلیم کو حیدرآباد بلوالیا۔ یہاں ترجمے کے کام کو آگے بڑھانا تھا۔ جس کے لیے 'وضعِ اصطلاحات' کی کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی کے ایک رُکن کے طور پر انھوں نے اصطلاحات سازی کی خدمات انجام دیں۔ جب شعبۂ اُردو کا قیام عمل میں آیا تو انھیں پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ آخری زمانے میں صحت کی خرابی کے باعث ملیح آباد چلے گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔

سیّد سلیمان ندوی (1884-1953) : سید سلیمان دیسنہ ضلع بہار شریف میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ بعد میں انھیں ندوۃ العلما لکھنؤ میں داخل کیا گیا، جہاں انھیں شبلی جیسا شفیق استاد ملا۔ انھوں نے اعلیٰ

تعلیم کے تمام مراحل وہیں طے کیے۔ مولانا شبلی کی وفات کے بعد دارالمصنفین سے وابستہ ہوگئے اور لمبے عرصے تک وہیں رہے۔ سید سلیمان ندوی کو تاریخ سے غیر معمولی دل چسپی تھی۔ اسلامی تاریخ ان کا خاص میدان تھا۔ اس موضوع پر انھوں نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جن میں 'سیرۃ النبی'، 'سیرتِ عائشہؓ'، 'عربوں کی جہاز رانی' اور 'ارض القرآن' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سیرت النبیؐ کی ابتدائی دو جلدیں شبلی نے لکھی تھیں۔ ان کے اس منصوبے کی تکمیل سید سلیمان ندوی نے کی۔ وہ بہت اچھے مقرر بھی تھے۔ اس لیے ان کی تحریروں میں کہیں کہیں خطابت کا انداز بھی ملتا ہے۔

سیّد سلیمان ندوی ایک اچھے صحافی بھی تھے۔ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال سے بھی وابستہ رہے۔ 'الندوہ' اور 'معارف' کی ادارت کے فرائض بھی انھوں نے انجام دیے۔ فارسی ادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ اس سلسلے میں ان کی سب سے معروف کتاب 'خیّام' ہے۔ انھوں نے یہ کتاب لکھ کر عمر خیام سے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ ان کا انتقال کراچی میں ہوا۔

مولانا ابوالکلام آزاد (1888-1958): مولانا آزاد کا اصل نام محی الدین احمد اور تاریخی نام فیروز بخت تھا۔ ان کے والد مولوی خیر الدین ایک عالم دین تھے۔ آزاد نے بارہ برس کی عمر میں عربی فارسی کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی۔ ان کا حافظہ غیر معمولی اور مطالعے کا شوق انھیں بچپن ہی سے تھا۔ کم عمری ہی میں ان کے مضامین اخبارات و رسائل میں شائع ہونے لگے تھے۔ انھوں نے 'لسان الصدق'، 'الہلال' اور 'البلاغ' جیسے اخبارات جاری کیے۔

مولانا آزاد نے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ کئی بار جیل کی سزا بھی کاٹی۔ 1939 میں وہ کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور 1946 تک اس اہم عہدے پر فائز رہے۔ وہ آزاد ہندوستان کے پہلے مرکزی وزیرِ تعلیم تھے۔ جدید تعلیم، سائنس اور ٹکنالوجی کے علاوہ ملک کی تہذیب وثقافت کے فروغ کے لیے انھوں نے کئی اکادمیاں اور ادارے قائم کیے۔ اُن کا انتقال دہلی میں ہوا۔

مولانا آزاد نے متعدّد کتابیں لکھیں جن میں قرآن مجید کا نامکمل ترجمہ اور تفسیر 'ترجمان القرآن'، 'تذکرہ'، 'غبارِ خاطر'، 'کاروانِ خیال' اور 'انڈیا ونس فریڈم' بہت مشہور ہیں۔ 'انڈیا ونس فریڈم' کا اردو ترجمہ 'ہماری آزادی' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ 'غبارِ خاطر' مولانا آزاد کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو قلعہ احمد نگر کی اسیری کے دوران انھوں نے اپنے دوست نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام لکھے تھے جو بھیجے نہ جا سکے۔ ان خطوط کا ادبی مرتبہ بہت بلند ہے۔ ان کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط نہیں بلکہ انشائیے اور مختلف موضوعات پر لکھے ہوئے مضامین ہیں۔ مولانا آزاد کی نثر میں انانیت، خطابت اور ڈرامائیت کا رنگ بہت گہرا ہے۔

عبدالماجد دریابادی (1977-1892) : وہ دریاباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار اردو کے صاحبِ طرز ادیبوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے لکھنؤ کے کیننگ کالج سے بی۔اے۔ کی سند حاصل کی تھی۔ فلسفہ اور نفسیات میں ان کی خاص دل چسپی تھی۔ انھوں نے قرآنِ حکیم کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا۔ اسلامی تہذیب وتمدن اور تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس کے علاوہ بشریات اور عمرانیات کے بھی وہ ماہر تھے۔ ان کی مشہور کتابوں میں 'فلسفۂ جذبات'، 'مکالماتِ برکلے'، 'فلسفۂ اجتماع' اور 'محمد علی۔ ذاتی ڈائری' وغیرہ شامل ہیں۔ 'سفرنامۂ حجاز' سفرِ حج کی روداد ہے۔

عبدالماجد دریابادی ایک نامور صحافی بھی تھے۔ 'سچ'، 'صدق' اور 'صدق جدید' کے نام سے انھوں نے تین اخبارات نکالے۔ ان کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ ان کی نثر میں علمیت کے ساتھ شگفتگی اور دل آویزی بھی پائی جاتی ہے۔

سیّد عابد حسین (1978-1896) : ڈاکٹر سیّد عابد حسین کا وطن داعی پور، ضلع فرخ آباد (اتر پردیش) تھا۔ عابد حسین کی پیدائش بھوپال میں ہوئی، جہاں اُن کے دادا اور والد ملازمت کرتے تھے۔ اُن کا بچپن داعی پور اور لکھنؤ میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں اور ثانوی تعلیم بھوپال میں حاصل کی۔ الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔اے۔ کیا۔ سیّد عابد حسین نے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری برلن یونیورسٹی، جرمنی سے لی۔ واپس آکر ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر محمد مجیب کے ساتھ جامعہ ملّیہ اسلامیہ سے وابستہ ہوگئے۔

ڈاکٹر عابد حسین کو ان کے ڈرامے 'پردۂ غفلت' سے شہرت ملی۔ ترجمے کے میدان میں ان کی خدمات بہت اہم ہیں۔ انھوں نے جرمن زبان کی کئی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا، جن میں گوئٹے کی 'فاؤسٹ' سب سے اہم ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین نے مہاتما گاندھی کی خودنوشت 'مائی ایکسپیریمنٹ وِدٹُرتھ' (My Experiment with Truth) کا ترجمہ 'تلاشِ حق' کے نام سے، پنڈت جواہر لعل نہرو کی 'ڈسکوری آف انڈیا' کا ترجمہ 'تلاشِ ہند' کے نام سے اُردو میں کیا۔ اُردو کے علاوہ انگریزی میں بھی کئی کتابیں لکھیں جن میں 'قومی تہذیب کا مسئلہ' اور 'ہندوستانی مسلمان آئینۂ ایّام میں' اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوئیں۔ وہ دو مشہور جرائد 'اسلام اور عصرِ جدید' اور 'اسلام اینڈ دی موڈرن ایج' کے بانی مدیر بھی رہے۔ ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ ہند نے انھیں 'پدم بھوشن' کے اعزاز سے بھی نوازا تھا۔

خواجہ غلام السیّدین (1971-1904) : خواجہ غلام السیّدین پانی پت (ہریانہ) میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ مشتاق فاطمہ حالؔی کی پوتی تھیں۔ غلام السیّدین کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم پانی پت میں ہوئی۔ علی گڑھ سے انھوں نے بی۔اے۔ اور بی۔ایڈ کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں سے واپس آکر علی گڑھ ٹیچرز ٹریننگ کالج

میں لیکچرر ہوئے۔ بعد میں پرنسپل ہوگئے۔ اس کے بعد ہندوستان میں محکمہ تعلیمات کے مختلف اہم عہدوں پر فائز رہے۔ آخر میں مرکزی وزارتِ تعلیم کے سیکریٹری کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔

خواجہ غلام السّیدین ماہرِ تعلیم تھے۔ انھوں نے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد ہندوستان میں تعلیمی اُمور کے سلسلے میں کئی مقامات پر مختلف حیثیتوں سے کام کیا۔ انھوں نے گاندھی جی کی عملی تعلیم کے نظریے سے متاثر ہوکر ڈاکٹر ذاکر حسین کے ساتھ عملی تعلیم کا خاکہ تیار کیا۔ انھوں نے اردو میں تعلیم اور ادب سے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اُن کی سب سے مشہور کتاب 'آندھی میں چراغ' ہے جس پر انھیں ساہتیہ اکادمی کا انعام ملا۔ حکومتِ ہند نے انھیں تعلیمی خدمات کے صلے میں 'پدم بھوشن' کے خطاب سے نوازا۔ خواجہ غلام السّیدین کی نثر سادہ لیکن پُرزور اور مؤثر ہوتی ہے۔

شان الحق حقّی (1917-2005) : شان الحق حقّی کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔ ان کا تعلق شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے گھرانے سے تھا۔ فارسی اور اردو پر اُن کی گہری نظر تھی۔ وہ ادب اور زبان دونوں کا بہت ستھرا مذاق رکھتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم دہلی اور اعلیٰ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوئی۔

شاعری، افسانہ، ڈراما، تنقید، تحقیق، ترجمہ نگاری اور لغت سازی اُن کی دل چسپی کے خاص میدان ہیں۔ انھوں نے بچّوں کے لیے بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ سنسکرت اور انگریزی سے ان کے بعض ترجموں کو بہت شہرت ملی۔ تھیسارس (مترادف الفاظ کی لغت) اور لغات کی ترتیب وتدوین کے میدان میں شان الحق حقّی کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ 'نکتۂ راز' ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ حقّی صاحب اردو کے ممتاز عالموں اور زبان دانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ زندگی کا بیشتر حصّہ انھوں نے پاکستان میں گزارا۔ آخر عمر میں انھوں نے کناڈا میں سکونت اختیار کرلی تھی، وہیں ان کا انتقال ہوا۔

© NCERT not to be republished